ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

البیرونی کا وطن اور اس کی عربی شاعری

ایران و خراسان اور ماوراءالنہر کے علاقوں میں جو مقامی خود مختار غیر عرب سلطنتیں قائم ہوئیں ان میں غزنوی سلطنت عربی زبان اور اس کے علوم کی خدمت کے سلسلے میں بہت ممتاز ہے۔ اس عہد میں عربی علم و ادب کی زبان ہونے کے علاوہ دفتری زبان بھی تھی اور غزنویوں کی علم پروری کی وجہ سے عربی دان اہلِ علم کی ایک اچھی خاصی تعداد پیدا ہوگئی جن میں بعض کو عربی زبان و ادب کی تاریخ میں شہرتِ عام اور بقائے دوام کا مرتبہ نصیب ہوا۔ ان علما و فقہا نے عربی کے نثری ادب میں قیمتی اضافے کے ساتھ ساتھ عربی شاعری میں بھی اپنے غیر فانی نقوش چھوڑے ہیں جو ثعالبی کی یتیمۃ الدھر اور ابو الحسن الباخرزی کی دمیۃ القصر کے صفحات میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگئے ہیں۔ غزنوی دور کی ان مایۂ ناز ہستیوں میں سے ایک ابوریحان البیرونی بھی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بنیادی طور پر ایک عظیم ریاضی دان، منجم، ماہرِ ہیئت اور طبیب تھا لیکن اس کے جو عربی اشعار دست بُردِ زمانہ سے محفوظ رہ گئے ہیں وہ اس کے ذوقِ سخن اور شعر گوئی کی صلاحیت کا واضح ثبوت ہیں، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اپنے دور کے متشاعر شعرا میں البیرونی کا مرتبہ کسی سے کم نہ تھا۔ اس سلسلے میں یاقوت الحموی کا یہ قول بلاشبہ حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے: وَكَانَ يَقُولُ شِعْرًا إِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الطَّبَقَةِ الْعُلْيَا فَإِنَّهُ مِنْ مِثْلِهِ حَسَنٌ کہ البیرونی شعر کہتا تھا جو اگرچہ اعلیٰ درجے کے تو نہ تھے مگر اس جیسے کثیر المشاغل عالم کے لیے ایسے شعر کہہ لینا بھی خوب ہے[1]۔

برہان الحق ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی الخوارزمی چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی)

---

[1] یاقوت الحموی: معجم الادباء ۱۷: ۱۸۰ تا ۱۹۰۔

کے نصف آخر میں احمد بن محمد شاہ خوارزم کے عہدِ حکومت میں پیدا ہوا۔ حصولِ علم کے بعد وہ مختلف شاہی درباروں سے وابستہ رہا۔ ۳۸۵ھ (۹۹۵ء) تک شاہانِ خوارزم کی شاخ آلِ عراق کے دربار سے، ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) تک مازندران کے اسپہبذ مرزبان بن رستم کے دربار سے، ۳۸۸ھ تک طبرستان کے قابوس بن وشمگیر کے دربار سے اور پھر اپنے آبائی وطن میں مامونی شاہانِ خوارزم کے دربار سے اس وقت تک منسلک رہا جب تک کہ محمود غزنوی نے اس سلطنت کے علاقوں کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ غزنوی دربار سے اس کی وابستگی طویل، مفید اور نتیجہ خیز تھی، جہاں اسے ہندوستان آ کر ہندو دانشوروں سے براہِ راست ملنے کے علاوہ اہم علمی کارنامے انجام دینے کا موقع بھی ملا۔ محمود کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں کے درباروں سے وابستہ رہا۔ اور ایک قول کے مطابق بروز جمعہ ۲ رجب ۴۴۰ھ / ۱۱ ستمبر ۱۰۴۸ء کو اس دارِ فانی سے رحلت کر گیا۔[۵۲]

البیرونی کے بارے میں قاضی محمد بن محمود النیشاپوری الغزنوی کے جو الفاظ یاقوت نے نقل کیے ہیں[۵۳] وہ جامعیت و اختصار کے علاوہ البیرونی کی شخصیت کو بھی ہمارے سامنے واضح خدوخال کے ساتھ پیش کرتے ہیں: کَانَ حَسَنَ الْمُحَاضَرَةِ طَیِّبَ الْعِشْرَةِ خَلِیْعًا فِی اَلْفَاظِہٖ عَفِیْفًا فِی اَفْعَالِہٖ لَمْ یَاْتِ الزَّمَانُ بِمِثْلِہٖ۔ یعنی البیرونی بڑا خوش گفتار، اچھا میل ملاپ رکھنے والا، زبانی طور پر آوارہ مزاج لیکن عملی طور پر بڑا پاک باز تھا، علم و فہم کے اعتبار سے زمانہ اس کی مثال لانے سے عاجز ہے۔

البیرونی کو علم و حکمت سے جو شوق و شغف تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جسے قاضی ابوالعلا مذکور نے قلم بند کیا اور یاقوت نے اسے معجم الادبا میں نقل کیا ہے۔ البیرونی کا ایک معاصر ابوالحسن علی بن عیسی الولوالجی بیان کرتا ہے کہ میں ابوریحان سے ملاقات کے لیے

---

۵۲ عیون الانباء ۲: ۲۰ تا ۲۱؛ معجم الادباء ۱۷: ۱۸۰ تا ۱۹۰؛ بغیۃ الوعاۃ، ص ۲۰ تا ۲۱؛ ہدیۃ العارفین ۲: ۶۵ تا ۶۶؛ الخالدون ص ۱۲۷ تا ۱۳۷؛ کنوز الاجداد ص ۲۳۸ تا ۲۴۰۔

۵۳ معجم الادباء ۱۷: ۱۸۱

گیا جبکہ وہ نزع کے عالم میں تھا، سانس اُکھڑ چکی تھی، سینہ تنگ ہو رہا تھا، وہ مجھ سے کہنے لگا: تم نے ایک دن مجھے نانیوں کی وراثت کے بارے میں کیا بتایا تھا؟ میں نے ازراہِ شفقت و ہمدردی کہا: تو کیا اس حال میں بھی؟ اس پر وہ کہنے لگا! ارے بھئی! کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس مسئلہ کا علم حاصل کر کے میں اس دنیا سے کوچ کروں بہ نسبت اس کے کہ اسے معلوم کیے بغیر دنیا سے چلا جاؤں؟ ابوالحسن کہتا ہے کہ میں نے اس کے سامنے اس مسئلے کو دہرا دیا اور اس نے اسے یاد کر لیا۔ پھر اس نے مجھے بھی وہ باتیں سکھا دیں جن کے سکھانے کا اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ قاضی ابوالعلا مذکور کا قول ہے کہ: کان لا یکاد یفارق یدہ القلمُ وعینَہ النظرُ وقلبَہ الفکرُ إلّا فی یوم النیروز والمہرجان من السنۃ۔ یعنی تمام سال، نوروز اور مہرجان کے علاوہ قلم کبھی اس کے ہاتھ سے الگ نہ ہوتا، آنکھ مطالعہ میں اور دل سوچنے میں مشغول رہتا تھا۔[۵۴]

البیرونی کا وطن

البیرونی کی شاعری پر گفتگو کرنے سے پہلے ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ غیر ضروری اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس نکتے کا تعلق اس اشتباہ یا غلط فہمی سے ہے جو ابوریحان کی نسبت کے سلسلے میں بعض اہلِ علم کو ہوئی ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ وہ عربی الاصل نہ تھا۔ اس کا اعتراف اس نے کئی مقامات پر خود کیا ہے۔ مثلاً اس کی یہ تصریح کہ مادری زبان فارسی ہونے کے باوجود وہ عربی کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنانے پر مجبور ہے کیونکہ فارسی ابھی ایک پس ماندہ زبان ہے جبکہ عربی ترقی یافتہ علمی زبان ہے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ وہ عجم کے کس خطے کی نسبت سے البیرونی مشہور ہوا، تو اس سلسلے میں اہل علم کے ہاں دو رائیں موجود رہی ہیں۔ ایک رائے کے مطابق اس کا تعلق خوارزم سے تھا اور اس کی جائے پیدائش وہ ہے جو قدیم زمانوں میں خیوہ کے نام سے مشہور تھی۔ دوسرے قول کی رو سے وہ بلاد سندھ کا باشندہ تھا اور بیرون نامی شہر کی نسبت سے البیرونی مشہور ہوا۔ پہلی رائے امام ابوسعد

---

۵۴ معجم الادباء ۱۷: ۱۸۳۔

عبدالکریم بن محمد السمعانی المروزی المتوفی ۵۶۲ھ (۱۱۶۷ء) کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ھذہ النسبة الی خارج خوارزم، فان بھا من یکون من خارج البلد ولا یکون من نفسھا یقال لہ: فلان بیرونی ہست دیۃ ان بلغتھم: انہی ذلک ہست۔ والمشھور بھذہ النسبة: ابوریحان المنجم البیرونی۔ یعنی البیرونی ایک ایسی نسبت ہے جو خوارزم سے باہر کے لوگوں کے لیے مستعمل ہے، کیونکہ خوارزم میں رواج یہ ہے کہ جو شہر سے باہر کا ہو اور اس کا باشندہ نہ ہو تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں تو بیرونی ہے۔ خوارزم والوں کی زبان میں ایسے شخص کو انہی ذلک (اجنبی) بھی کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے شہرت پانے والا ابوریحان البیرونی ہے جو ایک منجم تھا۔[۵] یاقوت بن عبداللہ الرومی البغدادی المتوفی ۶۲۶ھ (۱۲۲۹ء) بھی اسی رائے سے متفق ہے اور اس نے یہی باتیں ذرا تفصیل سے لکھی ہیں۔ بعد کے محققین نے بھی نہ صرف یہ کہ اس رائے سے اتفاق کیا ہے بلکہ البیرونی کے سندھی ہونے کی شدت کے ساتھ تردید بھی کی ہے۔[۶]

بایں ہمہ شیخ موفق الدین ابوالعباس احمد بن القاسم ابن ابی اُصیبعہ المتوفی ۶۶۸ھ کا بیان یہ ہے کہ ابوریحان کا تعلق بلادِ سندھ سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: "البیرونی منسوبٌ الی بیرون وھی مدینة فی السند۔ یعنی البیرونی بیرون کی طرف منسوب ہے جو سندھ کا ایک شہر ہے۔[۷] حیرت کی بات یہ ہے کہ بعد میں آنے والے متعدد اہلِ علم نے امام سمعانی کے بجائے ابن ابی اصیبعہ کا تتبع کیا ہے۔ مثلاً شیخ محمد مرتضیٰ بلگرامی ثم زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۱ء) تاج العروس مادہ بَرَنَ (ب ر ن) کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ طبقات الاطباء میں ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ بیرون سندھ میں واقع ہے۔ ابوالریحان المنجم یہیں کا تھا جس کا نام احمد بن محمد (کذا) حالانکہ صحیح محمد بن احمد ہے۔ اور الجماھر فی الجواھر اور التفخیم فی التنجیم اس کی تصانیف ہیں۔ جرجی زیدان نے بھی

---

۵ السمعانی: کتاب الانساب ۲: ۳۶۳۔

۶ تاریخ ادبیات ۲: ۱۰۳۔ ۷ عیون الانباء ۲: ۲۰۔

ابن ابی اصیبعہ کی تقلید میں البیرونی کو سندھ کا باشندہ بتایا ہے [۵۸]

اب یہ بتانے کی تو ضرورت نہیں کہ ان تمام اہلِ علم میں سے امام سمعانی نہ صرف متقدم اور البیرونی کے عہد کے قریب تر ہیں بلکہ ان کی ثقاہتِ علمی کا مرتبہ بھی بہت بلند ہے اور ان کی صحتِ بیان پر اہلِ علم کو اعتماد بھی ہے۔ اس کے علاوہ سمعانی خود عربی الاصل ایرانی تھے جو ایران کے شہر مَرْو میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات ہوئی۔ وہ اگرچہ نسلاً عرب تھے مگر فارسی پر بھی عبور رکھتے تھے جس کا ثبوت ان کی تصانیف خصوصاً کتاب الانساب میں فارسی کے عمدہ اور خوب صورت جملوں اور تراکیب سے ملتا ہے جو جگہ جگہ بکھری ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے علمِ حدیث اور تراجم رجال کی خاطر دُور دراز کے سفر بھی کیے اور بلادِ مشرق کے اہلِ علم سے براہِ راست استفادہ کرکے تازہ اور براہِ راست معلوماتی مواد بھی جمع کیا۔ اس لیے ان کی معلومات زیادہ قابلِ اعتماد، صحیح اور مستند ہیں۔ ایک اور بات بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ بیرون نام کا سندھ میں کوئی شہر نہیں البلاذری سے لے کر بعد کے تمام مسلمان جغرافیہ دانوں کی کتابیں اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ البتہ البلاذری اور محمد ابن حوقل وغیرہ نے نیرون (النیرون) نام کے ایک شہر کا تذکرہ کیا ہے جسے چچ نامہ [۵۹] میں جگہ جگہ نیرون کوٹ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یہی شہر آج کل حیدر آباد سندھ کے نام سے مشہور ہے۔ موجودہ دَور کے ایک ایرانی محقق علی اکبر دہخدا اس غلط فہمی یا اشتباہ کا ذمہ دار ابن ابی اصیبعہ کو ٹھہراتے ہوئے لکھتا ہے: "و ابن اصیبعہ او (یعنی البیرونی) را از اہلِ بیرونِ سند گفتہ و ایں اشتباہی است، چہ آنکہ در سند است نیرون بانون است نہ بیرون با باء و آن را نیرون کوٹ و حیدر آباد سند گویند [۶۰]

---

[۵۸] تاج العروس زیرِ مادہ برَن آداب اللغۃ العربیہ ۲ : ۲۳۷ -

[۵۹] اردو ترجمہ چچ نامہ از اختر رضوی بامداد اشاریہ -

[۶۰] ابو ریحان البیرونی، از علی اکبر دہخدا، ص ۱

اب سوال یہ ہے کہ اس اشتباہ یا غلط فہمی کا بنیادی سبب کیا ہے اور اہلِ علم میں سے سب سے پہلے یہ اشتباہ کس کو پیدا ہوا۔ علی اکبر دہخدا کا قول اوپر گزر چکا ہے جس میں وہ اس کی ذمہ داری ابن ابی اصیبعہ پر ڈالتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر اس کی ذمہ داری ابن ابی اصیبعہ کے سوا اس کے کسی متقدم پر نہیں ڈالی جا سکتی لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی اصیبعہ کو یہ تسامح بلاوجہ نہیں ہوا۔ گمان غالب یہ ہے کہ ابن ابی اصیبعہ کو یہ غلط فہمی یا اشتباہ محمد ابن حوقل (المتوفی ۳۶۷ھ / ۹۷۷ء) کی کتاب المسالک والممالک کے کسی مُصحَّف نسخے سے پیدا ہوا ہوگا۔ جہاں نیرون کو نون کے بجائے بیرون 'با' کے ساتھ لکھا ہوگا۔ اس مفروضے کی تائید میں دو شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ پہلی شہادت تو یہ ہے کہ ابن ابی اصیبعہ کا ایک ہم وطن ابو الفداء (المتوفی ۷۳۲ھ) تقریباً پون صدی بعد تقویم البلدان تصنیف کرتا ہے جس میں وہ سندھ کے ایک شہر البیرون کا ذکر کرتا ہے۔ شہر کے نام کو تو وہ ابن الاثیر کی کتاب اللباب[11] کی اساس پر ضبط کرتا ہے اور یہ کتاب اللباب دراصل امام سمعانی کی کتاب الانساب کا اختصار ہے، لیکن البیرون کا طول البلد عرض البلد اور اس کا محلِ وقوع ابن حوقل کے حوالے سے لکھتا ہے۔ ابن الاثیر نے امام سمعانی کے وہ الفاظ تو لے لیے ہیں جو انھوں نے "البیرونی" کی نسبت کو ضبط کرنے کے لیے استعمال کیے ہیں۔ (یعنی بکسر با، وقبل الیاء الخ) لیکن اختصار کی غرض سے وہ تفصیل حذف کر دی ہے جو انھوں نے البیرونی کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں پیش کی ہے۔ ابو الفداء کے سامنے غالباً صرف کتاب اللباب تھی جس کی انھوں نے صراحت کی ہے۔ اگر سمعانی کی کتاب الانساب بھی اس کے سامنے ہوتی تو شاید وہ ابن حوقل کی کتاب المسالک کے غلط نسخے کے سہارے سندھ کے شہر البیرون کا تذکرہ کرتے ہوئے ضرور تامل سے کام لیتا۔[12]

اس سلسلے کی دوسری شہادت یہ ہے کہ ابن حوقل کی کتاب المسالک والممالک کا

---

[11] اللباب ۱: ۱۶۰

[12] دیکھیے حاشیہ کتاب المسالک ص ۳۱۹

جو نسخہ صحت و تحقیق کے ساتھ ۱۹۳۹ میں لائیڈن میں چھپا ہے اس کے اندر البیرون نام کا
کوئی شہر نہیں بلکہ النیرون (یعنی بائے کے بجائے نون کے ساتھ) مذکور ہے۔ اس نسخے کے حاشیہ
پہ جو مختلف نسخوں کے اختلافات درج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے ایک نسخے میں
النیرون کو ابرور (ب ر و ر) اور ایک اور نسخے میں البیرون لکھا گیا ہے[13] غالباً کسی نقل
نویس کاتب کے کرشمے نے النیرون کو البیرون لکھ دیا اور البیرونی بے چارے کو خوارزم سے سندھ
میں اٹھا پھینکا۔ اب رہی یہ بات کہ ابن حوقل کی کتاب المسالک میں سندھ کے جس شہر کو
کہیں بیرون اور کہیں نیرون لکھا گیا ہے اس کا تلفظ اور خطی صورت خود ابن حوقل کے نزدیک
کون سی صحیح ہے تو اس کا جواب ایک تو المسالک کے مرتب نے حاشیہ پہ دے دیا ہے،
جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس کے علاوہ ابن حوقل کی دوسری کتاب صورۃ الارض[14]
میں بھی اس شہر کو نون کے ساتھ النیرون ہی لکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اور بات بھی
یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یاقوت الحموی نے معجم الادباء[15] میں البیرونی کا مفصل تذکرہ
کیا ہے، لیکن معجم البلدان میں بیرون یا البیرونی کا ذکر تک نہیں، حالانکہ اس کی عادت
یہ ہے کہ جس شہر کے بارے میں اسے کچھ واقعات معلوم ہوں یا وہ اس شہر کی کسی علمی شخصیت
سے متعارف ہو تو اس کا ذکر معجم البلدان میں بھی کرتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے
کہ یاقوت کے نزدیک بھی بیرون نام کا کوئی شہر سندھ میں نہیں تھا یا کم سے کم البیرونی
سندھ کے شہر بیرون کا رہنے والا نہ تھا۔ پھر یہ بات بھی مسلم ہے کہ یاقوت نے ابن
حوقل کی تصانیف سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس لیے المسالک میں اگر البیرون کا ذکر ہوتا
تو وہ البیرونی سے متعارف ہونے کی بنیاد پر معجم البلدان میں اس کا ذکر کرتا یا کم سے کم
چونک ضرور پڑتا۔ کیونکہ البیرونی کی جو وجہ نسبت اس نے اہل علم سے سنی تھی اور جس کا
امام سمعانی نے بھی ذکر کیا تھا وہ بڑی عجیب سی تھی۔ وہ اس بات کا کھوج لگانے کی کوشش

---

[13] دیکھیے حاشیہ کتاب المسالک ص ۳۱۹۔

[14] ص ۲۷۸

[15] ص ۱۷: ۱۸۰ تا ۱۹۰

ضرور کرتا کہ کہیں البیرونی سندھ کے بیرون کا باشندہ تو نہیں، یا کم سے کم یہ تو کہہ دیتا کہ بیرون سندھ کا ایک شہر تو ہے مگر البیرونی کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔ النیرون یا نیرون کوٹ کا تذکرہ اس نے اس لیے چھوڑ دیا ہوگا کہ دیگر بلادِ سندھ جن کا اس نے تذکرہ کیا ہے مثلاً دیبل اور منصورہ وغیرہ کی طرح اس وقت تک نہ تو وہ اتنا مشہور ہوگا اور نہ اس سے کوئی علمی شخصیت وابستہ ہوگی۔

شاعری

البیرونی کا دَور عربی ادب میں صنائع و بدائع اور سجع و قافیہ کے تکلف و تصنع کا دَور ہے۔ یہ وہ دَور ہے جب عربی شاعری اور نثر نگاری اپنی سادگی کی کشش اور طبیعت کے بانکپن کی ڈگر سے ہٹ کر بدیع الزمان ہمدانی اور ابو القاسم الحریری کی لفاظانہ بھول بھلیوں میں الجھ چکی تھی اور شاعر اور ادیب فکر و معنی کے پرستار ہونے کے بجائے لفظی تصنع کے اسیر بن چکے تھے۔ کتاب التاریخ الیمینی میں العتبی نے جو کچھ تاریخ کے ساتھ کیا ہے یا یتیمۃ الدھر اور دمیۃ القصر کے علاوہ کتاب سر السرور کے جو شعری اور نثری نمونے ہیں، وہ اس کا واضح ثبوت ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی قابلِ توجہ ہے اور وہ یہ کہ اگرچہ فارسی الاصل ہونے کے باوجود البیرونی نے عربی ہی کو اپنی علمی کاوشوں کا ذریعہ اظہار بنایا، لیکن دولتِ سامانیہ کی کوششیں رنگ لانے لگی تھیں اور عربی کے مقابلے میں فارسی اُبھرنے لگی تھی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ فارسی عربی کی جگہ لے رہی تھی۔ حتیٰ کہ غزنوی دَور کے عربی دان علما پر بھی فارسی غالب آتی جا رہی تھی۔ اس کی ایک اور خاص وجہ یہ بھی تھی کہ بلادِ غزنہ کے اہلِ علم و ادب کا رشتہ بلادِ عرب کے اہلِ فضل و لسان کے ساتھ اتنا قوی نہیں رہا تھا کہ عربی ثقافت فارسی ثقافت کے مقابلے کے لیے انھیں کوئی امداد مہیا کر سکتی۔ فارسی و عربی کی اس آویزش کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ذولسانین شعرا کی ایک اچھی خاصی تعداد پیدا ہو گئی تھی جو عربی و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ مسعود سعد سلمان لاہوری اور ابو العلا عطا بن یعقوب غزنوی ثم لاہوری کی روشن مثالیں اہلِ علم کے سامنے موجود ہیں۔ ابو الحسن علی بن الحسن الباخرزی المتوفی ۴۶۷ھ نے ایسے بے شمار شعرا کا تذکرہ کیا ہے جو دونوں زبانوں میں

عمدہ شعر کہتے تھے۔ اس دور میں ایسے شعرا بھی بکثرت تھے جو عربی سے فارسی اور فارسی سے عربی میں اشعار کا ترجمہ کرتے تھے، مثلاً ابوالحسن علی بن عبداللہ الغثمانی کے بارے میں الباخرزی[16] نے لکھا ہے کہ وہ فارسی سے عربی میں اشعار کا ترجمہ کرنے میں بڑا کمال رکھتا تھا، وہ ابونصر تمیم بن احمد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ باوجود عربی گو شاعر ہونے کے اس پر بھی فارسی غالب آ چکی ہے اور وہ فارسی کے تتبع میں عربی زبان میں بہترین رباعیات کہتا ہے۔ مثلاً:[17]

خراسان اعتلا فیھا الجفاء واکثر امرسادتھا جفاء

نبت بی ارضھا فرحلت عنھا وقلت علی خراسان العفاء

ترجمہ: خراسان میں جفا کاری کا دور دورہ ہے۔ وہاں کے اکثر امرا کا معاملہ بھی جفا و سنگ دلی ہے۔ مجھے تو اس کی سرزمین راس نہ آئی۔ چنانچہ میں نے وہاں سے کوچ کیا اور دل میں کہا کہ خراسان کا اب اللہ ہی حافظ ہے۔

البیرونی کی شاعری بھی انہی خصائص کی حامل ہے جو اس کے عہد کے عام شعرا کی شاعری میں نظر آتے ہیں۔ وہ تمام عمر علوم ریاضی، فلسفہ، فلکیات و نجوم اور طب و ہیئت پر عربی زبان میں لکھتا رہا لیکن سنسکرت کا بھی فاضل تھا اور فارسی تو اس کی مادری زبان تھی[18] جو وہ عام گفتگو میں استعمال کرتا تھا، تاہم اس کے جو اشعار ہم تک پہنچ سکے ہیں وہ سب کے سب عربی میں ہیں فارسی کا کوئی شعر دست یاب نہیں۔

غزنوی دور کے اہل علم میں سے ایک بزرگ قاضی ابوالعلا معین الدین محمد بن محمود النیشاپوری الغزنوی گزرے ہیں۔ انھوں نے اس دور کے عربی دان اہل علم شعرا، ادبا اور انشاپردازوں کا ایک جامع تذکرہ کتاب سر السرور کے نام سے مرتب کیا تھا، جس میں سوانح حیات کے علاوہ نظم و نثر کے مفصل اور طویل نمونے درج کیے گئے تھے۔ لیکن یہ بڑے الم و افسوس کا مقام ہے کہ اب یہ کتاب ناپید ہے اور دست برد زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکی معلوم ہوتا

---

[16] دمیۃ القصر ص ۲۰۲ [17] ایضاً ص ۱۷۸

[18] تاریخ ادبیات ۲ : ۱۰۴

ہے کہ حاجی خلیفہ کے عہد میں بھی دست یاب نہیں تھی، کیونکہ انھوں نے کشف الظنون[19] میں اس کتاب اور اس کے مصنف کا صرف نام درج کیا ہے حالانکہ وہ عام طور پر کتاب کے موضوع اور مصنف کی تاریخِ وفات کے علاوہ اکثر و بیشتر کتاب کے ابتدائی کلمات نقل کرتے ہیں۔ اور اس کی اہم خوبیاں بھی بتاتے ہیں۔ تاہم خوش قسمتی سے یہ کتاب یاقوت الحموی کو دست یاب ہوگئی تھی اور اس نے اس سے البیرونی کے سوانح حیات کے علاوہ اس کے منتخب اشعار بھی نقل کر دیے ہیں۔ یاقوت نے اپنے مشہور تذکرہ معجم الادباء میں غزنوی عہد کے شعرا و ادبا کے حالات کے سلسلے میں اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے اور جگہ جگہ اس کے طویل اقتباسات دیے ہیں[20]۔

یتیمۃ الدھر کے مصنف ابو منصور الثعالبی اور دمیۃ القصر کے مصنف ابو الحسن الباخرزی نے البیرونی کا تذکرہ نہیں کیا حالانکہ وہ بعض غیر معروف اور معمولی قسم کے شعرا کا تذکرہ اور نمونۂ کلام دے دیا کرتے ہیں۔ بہر حال یاقوت الحموی کے توسط سے قاضی ابوالعلاء نے البیرونی کا نمونۂ کلام ہم تک پہنچا دیا ہے جو ایک قصیدہ اور پانچ چھوٹے بڑے قطعات پر مشتمل ہے ان تھوڑے سے اشعار سے بھی البیرونی کی نمائندگی ہو جاتی ہے اور اس کے ذوقِ سخن کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ علما و فقہا کے علمی مشغلے اور موضوعات اگرچہ خشک نوعیت کے ہوتے تھے لیکن ان میں سے اکثر نے شعر گوئی کے میدان میں قدم ضرور رکھا اور البیرونی بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ وہ اگرچہ بنیادی طور پر تاریخ کا ایک جلیل القدر ریاضی دان، ماہر نجوم و فلکیات، فلسفی اور طبیب تھا لیکن وہ ذوقِ سخن بھی رکھتا تھا کیونکہ ایک عالم کا شعر و شاعری سے بے گانہ ہونا کم ذوقی کی دلیل ہے۔

البیرونی نے اپنے عہد کے فارسی شعرا کے تتبع اور تقلید میں اپنے ماضی کے سوانحی خاکے پر مشتمل ایک قصیدہ کہا جسے ہم اگر چھوٹا سا "شاہنامۂ البیرونی" کہیں تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔

---

[19] ۲ : ۲۲

[20] مثلاً ۱۲ : ۱۷۰ تا ۱۸۱، ۱۷ : ۱۸۰ تا ۱۹۰

اس قصیدے میں اس نے اپنی زندگی کے اہم مراحل و واقعات کا ذکر کرنے کے علاوہ اپنے محسنین و معاندین اور مداحین کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ یہ قصیدہ بلا شبہ عرب کے شعرا کی ڈگر سے ہٹ کر کہا گیا ہے اور اس میں شاہ نامے کا رنگ جھلکتا ہے۔ یہ قصیدہ جو بحرِ طویل میں ہے اس کے سترہ اشعار دستیاب ہیں اور مطلع غائب ہے۔ البیرونی کہتا ہے:[۵۲]

مَضٰی اَکْثَرُ الْاَیَّامِ فِیْ ظِلِّ نِعْمَۃٍ   عَلٰی رُتَبٍ فِیْهَا عَلَوْتُ کَرَاسِیَا

میں نے زندگی کے بیشتر دن نعمت کے سائے میں گزارے۔ اس کے علاوہ مجھے مراتب و مناصب پر فائز ہونے کا موقع بھی ملتا رہا۔

فَآلُ عِرَاقٍ قَدْ غَذَوْنِیْ بِدَرِّهِمْ   وَمَنْصُوْرٌ مِنْهُمْ قَدْ تَوَلّٰی غِرَاسِیَا

چنانچہ آلِ عراق نے تو اپنے دودھ سے میری پرورش کی، اسی خاندان کے منصور نے تو میری آبیاری و سرپرستی کی تھی۔

وَشَمْسُ الْمَعَالِیْ کَانَ یَرْتَادُ خِدْمَتِیْ   عَلٰی نَفْرَۃٍ مِّنِّیْ وَقَدْ کَانَ قَاسِیَا

شمس المعالی بھی میری خدمت کا طلب گار تھا، باوجودیکہ میں اس سے نفرت کرتا تھا اور وہ سنگدل انسان تھا۔ (شمس المعالی قابوس سے البیرونی خوش و مطمئن نہ تھا)

وَاٰلُ مَامُوْنَ وَمِنْهُمْ عَلِیُّهُمْ   تَبَدّٰی بِصُنْعٍ صَادَ لِلْحَالِ اٰسِیَا

(میری سرپرستی اور عزت) آلِ مامون نے بھی کی، ان میں سے علی نے تو اپنے احسان و اکرام کا اظہار بھی خوب کیا اور میری حالت کے لیے ہمدرد و دست گیر ہوا۔

وَاٰخِرُهُمْ مَامُوْنُ رَفَّهَ حَالَتِیْ   وَنَوَّهَ بِاسْمِیْ ثُمَّ رَأَّسَ رَاْسِیَا

آلِ مامون کے آخری حکمران مامون بن مامون نے مجھے مُرَفَّہُ الحال بنا دیا۔ اس نے میرے نام کو عظمت و بلندی بخشی اور مجھے سرداری و سرفرازی سے نوازا۔

وَلَمْ یَنْقَبِضْ مَحْمُوْدُ عَنِّیْ بِنِعْمَتِهٖ   فَاَغْنٰی وَاَقْنٰی مُغْضِیًا عَنْ مَکَاسِیَا

اور پھر محمود غزنوی نے بھی مجھ پر انعام و اکرام میں بخل سے کام نہ لیا، اس نے مجھے مالا مال کر دیا اور

---

۵۲ معجم الادباء ۱۷ : ۱۸۸

میری فخریہ باتوں سے بھی چشم پوشی کی۔

عَفَا عَنْ جَهَالَاتِي وَاَبْدَیٰ تَكَرُّمًا وَطَرَّىٰ بِجَاهٍ رَدْنَقِي وَلِبَاسِيَا

محمود نے میری زیادتیوں سے درگزر بھی کیا اور شریفانہ برتاؤ کیا۔ اس کے علاوہ اس نے میری عزت جاہ اور میرے لباس کی رونق کو بھی تازگی بخشی (ان دو شعروں میں البیرونی نے محمود غزنوی کو جو خراج تحسین پیش کیا ہے اس سے بدخواہوں کی پھیلائی ہوئی بدگمانیوں کی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے)

عَفَاءٌ عَلَىٰ دُنْيَايَ بَعْدَ فِرَاقِهِمْ وَوَاحُزْنِي اِنْ لَمْ اُرِدْ قَبْلُ اٰسِيَا

ان کی جدائی کے بعد خدا کرے میری دنیا بھی نابود ہو جائے! غم تو اس بات کا ہے کہ ایسے غم خوار دست گیر سے میں پہلے کیوں نہ مل سکا (یہاں بھی البیرونی کو اس بات کی حسرت و افسوس ہے کہ وہ محمود غزنوی سے پہلے کیوں نہ مل سکا اور اس کے عطا کردہ سکون اور عزت سے اتنا عرصہ کیوں محروم رہا)۔

وَلَمَّا مَضَوْا وَاعْتَضْتُ مِنْهُمْ عِصَابَةً دَعَوْا بِالتَّنَاسِي فَاغْتَنَمْتُ التَّنَاسِيَا

جب وہ رخصت ہو گئے تو ان کے بدلے مجھے ایک ایسے ٹولے سے سابقہ پڑا جو بھولے سے کبھی بلا لیتے ہیں اور میں ان کی اس فراموشی کو بھی غنیمت جانتا ہوں ۔

وَخُلِّفْتُ فِي غَزْنِيْنَ لَحْمًا كَمُضْغَةٍ عَلَىٰ وَضَمٍ لِلطَّيْرِ لِلْعِلْمِ نَاسِيَا

اب میں غزنہ میں یوں رہ گیا ہوں جیسے گوشت کا ایک ٹکڑا لکڑی پر پرندوں کے نوچنے کے لیے پڑا ہو۔ مجھے علم بھی فراموش ہو چکا ہے ۔

فَاُبْدِلْتُ اَتْوَامًا وَلَيْسُوْا كَمِثْلِهِمْ مَعَاذَ اِلٰهِي اَنْ يَكُوْنُوْا سَوَاسِيَا

مجھے ان کے بدلے میں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے جو ان جیسے نہیں۔ خدا کی پناہ! وہ سب برابر نہیں ہو سکتے۔

بِجَهْدٍ سَاوَتْ الْجَالِبِيْنَ اَئِمَّةً فَمَا اقْتَبَسُوْا فِي الْعِلْمِ مِثْلَ اقْتِبَاسِيَا

کوشش کے میدان میں میرا مقابلہ بڑے بڑے ائمہ اور فضلا سے ہوا مگر علم کی جو روشنی مجھے نصیب ہوئی وہ انھیں میسر نہ آسکی۔

فَمَا بَرَكُوْا لِلْبَحْثِ عِنْدَ مَعَالِمٍ وَلَا اخْتَبَسُوْا فِي عُقْدَةٍ كَاحْتِبَاسِيَا

پس نہ تو وہ لوگ اہم مسائل پر بحث کے لیے دوزانو ہو کر بیٹھ سکے اور نہ وہ میری طرح مشکل مسائل

کی عقدہ کشائی کے لیے جم کر بیٹھ سکے۔

فَسَائِلْ بِمِقْدَارِی ہُنُوْدًا بِمَشْرِقٍ ... وَ بِالْغَرْبِ مَنْ قَدْ قَاسَ قَدْ دُعَمَانِیَا

مشرق میں میری قدر ہندوؤں سے پوچھ اور مغرب (غالباً اسلامی اندلس) میں میری قدر ان سے پوچھ جنھوں نے میرے مشکل کام کا اندازہ لگایا ہے۔

فَلَمْ یُثْنِہِمْ عَنْ شُکْرِ جُہْدِیْ نَفَاسَۃٌ ... بَلِ اعْتَرَفُوْا طُرًّا وَعَافُوْا انْتِکَاسِیَا

ان لوگوں کو کوئی رغبت میری شکر گزاری سے باز نہ رکھ سکی، بلکہ سب نے اعتراف کیا اور میری ناقدری سے اجتناب کیا۔

اَبُوالْفَتْحِ فِیْ دُنْیَایَ مَالِکُ رِبْقَتِیْ ... فَہَاتِ بِذِکْرَاہُ الْحَمِیْدَۃِ کَاسِیَا

ابوالفتح (علی بن محمد البُستی الکاتب المتوفی ۴۰۰ھ - ۱۰۱۰ء) نواس دنیا میں میری گردن کا مالک ہے۔ اس لیے اس کا تذکرہ حمیدہ بڑے فخر کے ساتھ بیان کرو۔

فَلَا زَالَ لِلدُّنْیَا وَلِلدِّیْنِ عَامِرًا ... فَلَا زَالَ فِیْہَا لِلْغُوَاۃِ مُوَاسِیَا

خدا کرے وہ دنیا و دین کو آباد رکھے اور بھولے بھٹکے لوگوں سے غم خواری و دست گیری کرتا رہے۔

جیسا کہ ظاہر ہے یہ قصیدہ باعتبار معنی و مضامین کے عرب شعرا کی نسبت فارسی کے قصہ گو شاعروں کے اسلوب کے زیادہ قریب ہے اور لفظی اعتبار سے بھی البیرونی کی کمزوری کہیں کہیں نمایاں ہونے سے بچ نہیں سکی، تاہم اس نے اپنے محسنوں، قدردانوں، معاندین اور سوانحی خاکے کو شعری رنگ میں پیش کر کے ذوقِ سخن کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

بحر طویل میں اس کا ایک قطعہ ہے جس میں وہ عزت و اقبال مندی کے چھوٹے اور بے عمل طالبین پر طنز کرتا ہے اور انھیں سمجھاتا ہے کہ خونِ جگر کے بغیر کوئی تمنا رنگ نہیں لا سکتی:

وَمَنْ حَامَ حَوْلَ الْمَجْدِ غَیْرَ مُجَاہِدٍ ... ثَوٰی طَاعِمًا لِلْمَکُوْمَاتِ وَکَاسِیَا

وَبَاتَ قَرِیْرَ الْعَیْنِ فِیْ ظِلِّ رَاحَۃٍ ... وَلٰکِنَّہٗ عَنْ حُلَّۃِ الْمَجْدِ عَارِیَا

جو شخص کوشش و مشقت کے بغیر عزت و سربلندی کے پیچھے منڈلاتا پھرے اسے صرف کھانے پینے اور اوڑھنے پہننے کا ہی عزت و شرف حاصل ہو سکے گا۔ ایسا شخص آرام و راحت کے سائے میں عمر بھر خوش تو رہے گا مگر ایسے کاہل و بے عمل کو عزت و سربلندی کا لباس فاخرہ کہاں نصیب ہو سکے گا

البیرونی کے یہ دو شعر کاہل و بے عمل طالبانِ عزت و سربلندی کے لیے ایک تازیانۂ عبرت اور ٹھنڈی آگ کا سا اثر رکھنے والے طنز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ عربی ہجو گوئی کے امام شاعر الحُطَیئہ کے اس قصیدے کی یاد دلاتے ہیں جو اس نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایک گورنر زبرقان بن بدر کی ہجو میں لکھا تھا اور جس میں شاعر نے گورنر مذکور کو مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ:[۳۱]

دَعِ المَکَارِمَ لَا تَرحَلْ لِبُغیَتِہَا ۔۔۔ فَاِنَّکَ اَنتَ الطَّاعِمُ الکَاسِی

یعنی تجھے عزت کے کاموں سے کیا پڑی ہے ، جانے بھی دے ، ایسے کاموں کے لیے دوڑ دھوپ مت کر، آخر روٹی کپڑا تو تجھے میسر ہے ہی۔

اس شعر میں بظاہر قناعت کا "نیک مشورہ" ہے لیکن حقیقت میں یہ طنز میں بجھا ہوا نشتر ہے کہ بھئی! عزت و سربلندی تیرا کام نہیں، کیوں تکلف کرتا ہے؟ تاریخ میں آتا ہے کہ زبرقان بن بدر نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو وہ فرمانے لگے کہ اس شعر میں یہی تو کہا گیا ہے کہ تجھے کھانا پینا میسر ہے تو قناعت سے کام لے! مگر زبرقان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور کہنے لگا کہ یا امیرالمومنین! اس ظالم نے تو میری ایسی ہجو کہی ہے کہ جس کی چبھن میرے دل میں تمام عمر محسوس ہوتی رہے گی۔ وہ مجھے دراصل قناعت کا مشورہ نہیں دے رہا ہے بلکہ مجھے عزت و سربلندی کا نااہل طلب گار ثابت کر رہا ہے! حضرت ابنِ عباسؓ نے زبرقان کی تائید کی تو حضرت عمرؓ نے الحطیئہ کو قید میں ڈال دیا۔ البیرونی نے بھی اپنے ان دو شعروں میں یہی مضمون باندھا ہے۔ اگرچہ انداز مختلف ہے مگر مقصد ایک ہے۔ بلکہ البیرونی نے جو قافیہ باندھا ہے۔ کَاسِیًا (پہننے والا) اور عَارِیًا (ننگا) وہ بھی فنی کمال و مہارت کا پتہ دیتا ہے۔

صنعتِ تجنیس شعرا کا ایک مرغوب فن رہا ہے۔ اس عہد کے شعرا کے ہاں تو صنائع و بدائع کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ یتیمۃ الدھر اور دمیۃ القصر کے شعرا کے ہاں

---

[۳۱] کتاب الاغانی ۲: ۱۸۴

بھی کچھ نظر آتا ہے۔ اپنے معاصر شعرا کی طرح البیرونی نے بھی فن تجنیس پر طبع آزمائی کی ہے۔ تنغص ونغوش حال زندگی، تلخی اور فراق، محبوب کا خط اور مطلوبہ خوشی، بیماری اور طبیب اور پھر فراق اور راقی (تعویذ گنڈا کرنے والا) کو صرف ایک رباعی میں کمالِ مہارت کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے:

تَنَغَّصَ بِالتَّبَاعُدِ طِيْبُ عَيْشِيْ — فَلَا شَيْءٌ أَمَرُّ مِنَ الْفِرَاقِ
كِتَابُكَ إِذْ هُوَ الْفَرَجُ الْمُرَجّٰى — أَطَبُّ لِمَا أَلَمَّ مِنَ الْفِ دَانِ

دُوری سے میری خوش گوار زندگی منغص ہو چکی ہے کیونکہ فراق سے بڑھ کر کوئی چیز تلخ نہیں ہو سکتی۔ تیرا خط چونکہ مطلوبہ اور متوقع خوشی ہے اس لیے جس تکلیف میں میں مبتلا ہوں اس کے لیے یہ ہزاروں چارہ گروں کی نسبت بہتر ہے۔

البیرونی کا محبوب کیسا تھا؟ کون تھا؟ اس کا اندازہ ذیل کے عزلیہ اشعار سے ہو سکتا ہے جن میں وہ اپنے محبوب سے تنہائی میں ہم کلام ہونے کا متمنی نظر آتا ہے۔ یہ محبوب ایسا ہے کہ جس کا بدل بھی اس کے لیے گوارا نہیں۔ وہ سردار ہے، باہمت ہے، عیش پرستی کا دلدادہ نہیں بلکہ سخت کوشی اس کا شیوہ ہے، وہ مکار بھی نہیں اور خدا سے بھی غافل نہیں۔ کیا یہ محبوب سلطان محمود غزنوی تو نہیں؟ یا کوئی اور ہے۔ البیرونی کہتا ہے:

أَتَأْذَنُوْنَ لِصَبٍّ فِيْ زِيَارَتِكُمْ — إِنْ كَانَ مَجْلِسُكُمْ خِلْوًا مِنَ النَّاسِ
فَأَنْتُمُ النَّاسُ لَا أَبْغِيْ بِكُمْ بَدَلًا — وَأَنْتُمُ الرَّأْسُ وَالْإِنْسَانُ بِالرَّأْسِ
وَكُنْتُمْ لِمَعَالِيْ تَنْهَضُوْنَ بِهَا — وَغَيْرُكُمْ طَاعِمٌ مُسْتَوْجِعٌ كَاسِيْ
فَلَيْسَ يَعْرِفُ مِنْ أَيَّامِ عِيْشَتِهِ — سِوَى التَّلَهِّيْ بِأَبْرِيْقٍ أَمْ أَوْ كَاسٍ
لَدَى الْمَكَايِدِ إِنْ رَاجَتْ مَكَايِدُهُ — يَنْسَى الْإِلٰهَ وَلَبَّسَ اللّٰهُ بِالنَّاسِ

۱۔ کیا آپ ایک عاشق زار کو شرف زیارت کی اجازت دیں گے، جب آپ تنہا ہوں اور مجلس میں اور کوئی نہ ہو؟

۲۔ کیونکہ آپ وہ ہستی ہیں جس کے نعم البدل کی مجھے خواہش بھی نہیں، کیونکہ آپ سراپا سر (سردار) ہیں اور انسان سر کے بغیر کہاں رہ سکتا ہے؟

۳۔آپ کی تمام کوشش بلند مراتب کے لیے ہے جن کے لیے آپ کوشاں ہیں، جبکہ آپ کے علاوہ دوسرے کو تو کھانے پینے، واپس چھیننے اور اوڑھنے پہننے کے سوا کوئی سروکار نہیں۔

۴۔وہ ایام زندگی کو فقط نفسانی خواہشات کی تسکین اور جامِ شراب سمجھتا ہے۔

۵۔مکاری کے وقت اگر وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو خدا کو بھی بھول جاتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی کو بھول لینے والی نہیں۔

بہادری پر فخر کرنا اور مہلک مشکلات میں کود پڑنا عربی کے شاعروں کا خاص موضوع رہا ہے۔البیرونی بھی اپنے آپ کو میدانِ قلم کا شہسوار ہونے کے علاوہ میدانِ جنگ کا شہسوار بھی قرار دیتا ہے، وہ کہتا ہے:

فَلَا یَغْرُرْکَ مِنِّیْ لِیْنُ مَسٍّ ۔۔۔ تَرَاہُ فِیْ دُرُوْسٍ وَ اِقْتِبَاسٍ

فَاِنِّیْ اَسْرَعُ الثَّقَلَیْنِ طُرًّا ۔۔۔ اِلٰی خَوْضِ الرَّدٰی فِیْ وَقْتِ بَاسٍ

۱۔تو میری اس نرم روی و سہل رفتاری سے دھوکے میں نہ آجانا جو تجھے درس و تدریس اور مطالعہ و استفادہ کے وقت دکھائی دیتی ہے (بلکہ میں تو نرم دم گفتگو گرم دم جستجو ہوں)۔

۲۔کیونکہ مشکل کے وقت تو دیکھ لے گا کہ ہلاکت میں کود جانے کے لیے میں تمام جن و انس سے زیادہ تیز رو ہوں۔

ہجو گوئی بھی عربی شاعری کی ایک اہم صنفِ سخن رہی ہے، بلکہ ایک دور میں تو عرب شعرا کے ہاں مرغوب موضوع صرف دو تھے۔ایک مدح اور دوسرا ہجو گوئی۔شاعر یا مدح سرائی سے ایک شخص کو اوجِ ثریا تک پہنچا دیتے تھے اور یا پھر ہجو سے آسمان سے زمین پر دے مارتے تھے۔البیرونی نے اس مضمون کو بھی اپنی مشقِ سخن میں شامل کیا ہے لیکن اس کے چند ہجویہ اشعار کا شانِ نزول بڑا عجیب ہے اور وہ یوں ہے کہ ابوالحسن نامی کسی شاعر نے پیسہ بٹورنے کے لیے البیرونی کی مدح سرائی کی تھی جس میں اس کے آبا و اجداد کی عظمت و شان اور حسب نسب کی پاکیزگی کا بھی ذکر تھا۔ البیرونی کو یہ معلوم تھا کہ یہ خوشامدی لالچ میں آکر میرے حسب و نسب اور آبا و اجداد کی عظمت بیان کر رہا ہے ورنہ اہلِ عجم کو اپنے دادا سے آگے کی پشت کا نام بھی معلوم نہیں ہوتا۔چہ جائیکہ ان کی عظمت کے جھوٹے گن گائے جائیں۔

البیرونی کو اس پر بڑا غصہ آیا اور اس پر انعام و اکرام کی بارش فرمائی۔ یاقوت نے ان اشعار کو مِنْ اَقْوَمِ شِعْرِہٖ (یعنی البیرونی کے نہایت عمدہ موزوں اشعار میں سے قرار دیا ہے) اور ان اشعار سے قاضی ابو القاسم النیشاپوری الغزنوی صاحبِ سرالسرور کی اس رائے کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ البیرونی اپنے اعمال کے لحاظ سے تو نہایت پاک باز تھا، لیکن زبانی طور پر اس سے سوقیانہ باتیں سرزد ہو جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ اپنے خوشامدی مداح کے جواب میں البیرونی فرماتے ہیں:

يَا شَاعِرًا جَاءَنِي يَخْزِي عَلَى الْأَدَبِ — وَافَى لِيَمْدَحَنِي وَالذَّمُّ مِنْ أَدَبِي
وَذَاكِرًا فِي قَوَافِي شِعْرِهٖ حَسَبِي — وَلَسْتُ وَاللّٰهِ حَقًّا عَارِفًا نَسَبِي
إِذْ لَسْتُ أَعْرِفُ جَدِّي حَقَّ مَعْرِفَةٍ — وَكَيْفَ أَعْرِفُ جَدِّي إِذْ جَهِلْتُ أَبِي
إِنِّي أَبُو لَهَبٍ شَيْخٌ بِلَا أَدَبٍ — نَعَمْ وَوَالِدَتِي حَمَّالَةُ الْحَطَبِ
اَلْمَدْحُ وَالذَّمُّ عِنْدِي يَا أَبَا حَسَنٍ — سِيَّانِ مِثْلَ اسْتِوَاءِ الْجِدِّ وَاللَّعِبِ
فَاعْفِنِي عَنْهُمَا لَا تَشْتَغِلْ بِهِمَا — بِاللّٰهِ لَا تُوقِعَنَّ مَقْفَاكَ فِي تَعَبِ

۱۔ شاعر صاحب! آپ میرے پاس ادب پر زیادتی کرنے کے لیے تشریف لائے اور میری مدح و ستائش کرنا چاہی، حالانکہ میرا ادب تو مذمت ہے۔

۲۔ تم نے اپنے اشعار کے قافیوں میں میرے حسب کا تذکرہ کیا ہے۔ حالانکہ خدا کی قسم مجھے تو اپنا نسب نامہ معلوم بھی نہیں۔

۳۔ کیونکہ میں تو اپنے دادا کو اچھی طرح جانتا تک نہیں، بھلا میں دادا کو کیسے جانوں؟ میں تو اپنے باپ کو بھی اچھی طرح نہیں جانتا۔

۴۔ میں تو ابو لہب ہوں، ایک ادب سے محروم شیخ، اور ہاں! میری والدہ حمالۃ الحطب (ایندھن اٹھانے والی) ہے۔

۵۔ بھئی ابو الحسن! میرے نزدیک مدح و مذمت دونوں یکساں ہیں، جس طرح میرے نزدیک سنجیدگی اور مزاح برابر ہیں۔

۶۔ از راہِ کرم مجھے تو اس مدح یا مذمت سے معاف ہی رکھو اور خدا کے لیے ان میں مشغول ہو کر اپنی

عاقبت خراب نہ کر۔

سب سے آخر میں یہ عرض کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اگرچہ البیرونی ایک سائنس دان تھا اور اس نے اپنا بیشتر وقت ریاضی، نجوم، طب اور ہیئت میں صرف کیا مگر عربی ادبیات میں بھی بہت دلچسپی لی۔ اس نے ابو تمام حبیب بن اوس الطائی کی شہرۂ آفاق تصنیف کی ایک نامکمل شرح بھی لکھی تھی۔ یہ کتاب یاقوت نے البیرونی[۲۲] کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی تھی۔ اسی فن پہ اس کی ایک اور تصنیف کا ذکر بھی ملتا ہے اور وہ ہے کتاب التعلل باحالۃ الوهم فی معانی نظم اولی الفضل۔ البیرونی نے مختار الاشعار و الآثار کے نام سے عربی نظم و نثر کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا۔

۲۲ھ معجم الادباء ۱۷: ۱۸۰ تا ۱۹۰

ارمغانِ حالی : (منتخبہ و مرتبہ: پروفیسر حمید احمد خاں)

یہ کتاب شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی کی تمام نظم و نثر کے انتخاب اور اس انتخاب کی برمحل تشریح و توضیح پر مشتمل ہے۔ یہ مجموعہ مولانا حالی کی اس عظیم الشان فکری و تخیلی کاوش کا آئینہ ہے جس کی بنیاد پر مولانا نے نصف صدی سے کچھ زیادہ مدت تک تعمیرِ قوم کی کوششوں کو جاری رکھا۔ حالی کے مشہور و معروف تنقیدی و سوانحی کام کے علاوہ متفرق موضوعات پر مولانا کے جواہرِ انشا مناسب تلاش و تفحص سے حصۂ نثر میں چُن دیے گئے ہیں۔ چنانچہ مولانا کے دینی تعلیمی، اخلاقی اور معاشرتی مضامین کے سیر حاصل اقتباسات شاملِ کتاب ہیں۔ ہر ایک اقتباس کے سالِ تصنیف کی صراحت کر دی گئی ہے۔ یہی عمل حصۂ نظم میں بھی جاری ہے۔

کتاب کے آغاز میں ایک مفصل اور پر از معلومات مقدمہ ہے جو متن کے تمہیدی اشارات اور تشریحی حواشی سے الگ اپنی ایک خاص معنویت رکھتا ہے۔ صفحات: ۳۱۶، قیمت قسم اول ۱۱/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور